eISSN: 2707-6229
pISSN: 2707-6210

ڈاکٹر سمیرا اکبر / ڈاکٹر عبدالعزیز ملک
اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد
ڈاکٹر رابعہ سرفراز
پروفیسر، شعبہ اردو، جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

CC BY
OPEN ACCESS

Dr Sumaira Akbar **Email:** sumairaakbar@gcuf.edu.pk
Assistant Professor, Departement Urdu, Government College University, Faisalabad
Dr Abdul Aziz Malik **Email:** azizmaliksgd@gmail.com
Assistant Professor, Departement Urdu, Government College University, Faisalabad
Dr Rabia Sarfraz **Email:** dr.rabiasarfraz@yahoo.com
Professor, Departement Urdu, Government College University, Faisalabad

مقدمہ از فرانز کافکا: تجزیاتی مطالعہ

TRIAL BY FRANZ KAFKA: ANALYTICAL STUDY

DOI: https://doi.org/10.56276/tasdiq.v4i02.128

ABSTRACT

Franz Kafka was a prominent literary figure in 20th century of European literature. Franz Kafka has been called everything from a modernist to an existentialist, a fantasy writer to a realist. His work almost stands alone as its own subgenre, and the adjective 'Kafkaesque' – whose meaning, like the meaning of Kafka's work, is hard to pin down, has become well-known even to people who have never read a word of Kafka's writing. Perhaps inevitably, he is often misinterpreted as being a gloomy and humourless writer about nightmarish scenarios, when this at best conveys only part of what he is about. He was brought up in a middle-class German family. He wrote many novels on different themes. "The trial" is one of them. It was written in 1914 and was published posthumously in 1925 in the German language. It was translated into English by Willa and Edwin Muir in 1937. It is his best-known work. It is the story of Joseph K, a respectable bank officer, who is arrested by an inaccessible authority although he has done nothing wrong. One year later, two warders again come for K. they take him to a quarry outside of town and kill him in the name of the law. Through the struggle of that specific character, he criticized the modern bureaucracy. It is also described

KEYWORDS
Franz Kafka, Existentialism, Corrupt bureaucracy, English Novel, The Metamorphosis, The Trial, The Castle, Kafkaesque, Mysterious, Court, Judiciary

Received: 03-Dec-22
Accepted: 15-Dec-22
Online: 16-Dec-22

as an existentialist novel because it represents the absurdity of the world and the nightmare of intersubjectivity. In this article above mentioned themes are discussed with proper references.

مردم بیزار اور شرمیلے فرانز کافکا کا شمار بیسویں صدی کے ان تخلیق کاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے پوری دنیا کے فکشن نگاروں کو متاثر کیا۔ اس دعوے کا ثبوت اس بات سے دیا جا سکتا ہے کہ کچھ عرصے سے اَدبی حلقوں میں "کافکائی ادب" کی باقاعدہ اصطلاح استعمال کی جانے لگی ہے۔ وہ ادب جو پُر اسراریت، خرق العادت اور تعجب انگیز حد تک خوفناک بیورو کریٹک رویوں کو حقیقی یا روزمرہ انداز میں اس طرح پیش کرے کہ قاری خود سے اجنبیت محسوس کرنے لگے، ایسی صورتِ حال کو کافکائی ادب میں شمار کیا جاتا ہے۔ کافکا کو فطرت نے، المیہ موضوعات کو طربیہ انداز میں لکھنے کی صلاحیت ودیعت کی تھی جس کا اس نے پھر پور فائدہ اٹھایا اور ایسے تہ دار ناول اور کہانیاں تخلیق کیں جن کے نہاں گوشوں کی دریافت ابھی باقی ہے۔ اس کے فکشن کی کثیر الجہتی کی دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے فکشن کی جتنی بھی تاویلیں کی گئی ہیں، اس کا جواز کسی نہ کسی شکل میں اس کی تحریروں میں موجود ہے۔ اس کی ظاہری زندگی کے برعکس اس کی باطنی زندگی خواب نما، پیچیدہ اور گنجلک ہے جس کو گرفت میں لانا زیرک اور حد درجہ تجزیاتی صلاحیتوں کے حامل دماغ کا کارنامہ ہی ہو سکتا ہے۔ وہ ایسا لکھاری ہرگز نہیں ہے جو قاری کے منھ میں نوالے ڈالنے کا قائل ہو بلکہ قاری کی ذہنی مشق کا قائل ہے۔ وہ فکشن کو اس انداز سے پیش کرتا ہے کہ قاری کو معنی کی جستجو میں، اَدق اور پیچ در پیچ راہوں سے گزرنا پڑتا ہے۔ بقول نیر مسعود "اس وقت کافکا کو دوستوفسکی کی طرح ادبیات میں پیچیدہ ترین دماغ کا مالک سمجھا جاتا ہے۔"(۱) دوستوفسکی کی تحریروں کو پڑھ کر انسان خود کو بدلا ہوا محسوس کرتا ہے جب کہ کافکا کی تحریر پڑھ کر انسان کو دنیا بدلی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ وہ خوف ناک امور کو طنزیہ اور مزاحیہ انداز میں بڑی آسانی سے پیش کرتا چلا جاتا ہے۔ اس کی ادبی شخصیت کی حیرت انگیز جہت یہ بھی ہے کہ جدیدیت پسند ہونے کے باوجود وہ ماضی کی ماضیت سے متاثر ہے جس کا ثبوت اس کی متعدد تحریروں سے دیا جا سکتا ہے۔

> "مقدمہ (The Trial)" فرانز کافکا کا نمایندہ ناول ہے جو پہلی عالمی جنگ کے زمانے میں لکھا گیا۔ یہ وہ دور ہے جس میں سائنسی، سماجی اور معاشرتی سطح پر تیزی سے تبدیلیاں رونما ہو رہی تھیں۔ آبادی کے پھیلاؤ اور ذرائع آمد و رفت میں تغیر اس تیزی سے دیکھنے میں آرہا تھا کہ بیسویں صدی کا جدید انسان حیرت زدہ تھا۔ پرانا عہد معدوم ہو رہا تھا اور نئے عہد کا آغاز ہو چکا تھا۔ انسانی معاشرت اپنا روایتی دم خم کھو چکی تھی۔ نئے پیداواری طریقے متعارف ہو رہے تھے۔ ملکوں کی سیاسی ساخت بھی تبدیلی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ جدیدیت کے زیرِ اثر فرد اور سماج کے مابین کش مکش زور پکڑ رہی تھی۔ فرد کی حیثیت کمزور سے کمزور تر پڑتی جا رہی تھی اور معاشرہ روسی کیمونزم اور جرمن سوشلزم کے اثرات کے نتیجے میں اجتماعی طور پر آگے کی جانب محوِ سفر تھا۔ معاشرہ ایک ایسے دور سے گزر رہا تھا جہاں انسانی اقدار پامال ہو رہی تھیں۔ زندگی کی خوشیاں غائب ہوتی چلی جا رہی تھیں، چہرے اور کردار مسخ ہو رہے تھے۔ استعماریت کا جبر پھن پھیلائے انسانیت کو نگلنے کے لیے تیار کھڑا

تھا۔ تہذیبی و ثقافتی اقدار سرِ عام رسوا ہو رہی تھیں۔(۲) اس دور کی متزلزل اور منتشر صورتِ حال سے کافکا یقینی طور پر اثرات قبول کر رہا تھا۔ بیسویں صدی کے اوائل میں رونما ہونے والی جدیدیت کی خواب ناک اور واہموں بھری صورتِ حال کو اس نے فرد کی داخلی زندگی اور موضوعی تجربے کے ساتھ ضم کر کے، اپنے ناولوں کا حصہ بنایا ہے جسے "مقدمہ" کے علاوہ اس کی مختصر کہانیوں "سزا یافتاؤں کی بستی (Penel Colony)"، "بھوکا فنکار (The Hunger Artist)"، "قلبِ ماہیت (Matamorphosis)" اور "فیصلہ (Judgement)" میں بھی محسوس کیا جا سکتا ہے۔

اسی دور میں وہ "ورک مین ایکسیڈنٹ انشورنس انسٹیٹیوٹ" میں ملازمت کر رہا تھا اور اس نے مختصر کہانیاں لکھ کر فکشن تحریر کرنے کی ابتدا کر دی تھی۔ "مقدمہ" اس نے 1914ء کے لگ بھگ تحریر کیا جسے ۱۹۲۵ء میں اس کی وفات کے بعد، کافکا کے دوست میکس براڈ نے پہلی بار شایع کیا۔ کافکا نے اپنے دوست میکس براڈ کو ایک خط کے توسط سے ہدایت کی تھی کہ اس کی وفات کے بعد اس کی تمام تحریروں کو پڑھے بغیر جلا دیا جائے لیکن اس نے اس پر عمل نہیں کیا اور گاہ بہ گاہ اس کے تحریری سرمائے کو منظرِ عام پر لاتا رہا۔ اُس کے پاس کافکا کی جتنی بھی تحریریں محفوظ تھیں، اُنھیں اُس نے ضایع ہونے سے بچا لیا۔ اس خط کا ذکر ڈاکٹر عاصم بٹ نے کافکا کے حالاتِ زندگی رقم کرتے ہوئے ان الفاظ میں کیا۔ اقتباس ملاحظہ ہو:

> "وہ لکھتا ہے۔ "عزیزم میکس! میری تم سے آخری استدعا ہے کہ میری الماریوں میں، درازوں میں، میرے کمرے میں، دفتر میں یا جہاں بھی میری کوئی تحریر، روزنامچوں، مسودوں، خطوط یا کسی بھی اور صورت میں تمھیں ملے، چاہے وہ مکمل ہو یا ادھوری، چاہے وہ تمھارے پاس ہو یا دوسروں سے تمھیں حاصل ہو، اسے بغیر پڑھے جلا دو۔ جو لوگ میرے خطوط واپس کرنے سے انکار کریں ان سے انھیں جلد از جلد لینے کا وعدہ لو۔۔۔ تمھارا فرانز۔" میکس براڈ نے دنیائے ادب کو اپنا زیرِ بار احسان کرتے ہوئے نہایت احترام کے ساتھ اپنے دوست کی آخری خواہش کو پورا نہیں کیا اور اسے کسی بھی صورت میں کافکا کی جو بھی تحریر ملی، وہ اس نے چھپوا دی۔"(۳)

دوسری جانب اس کی دوست ڈورا ڈائمنٹ نے کافکا کی بیس یادداشتوں کو نذرِ آتش کر دیا۔(۴) "مقدمہ" کے علاوہ "قلعہ" (Castle) اور "امریکا (Amerika)" ایسے ناول بھی کافکا سے یادگار ہیں جن میں معاشرتی جبر، سماجی بیگانگی اور بے حس بیوروکریسی کے کردار کو اجاگر کیا گیا ہے۔

جب سکاٹ لینڈ سے تعلق رکھنے والے شاعر 'ایڈون میور (Edwin Muir)' اور اس کی بیوی 'وِلّا (willa)' نے ترجمہ کر کے "مقدمہ" کو 1937ء میں پوری دنیا سے متعارف کرایا تو اس کی اہمیت جرمن سے باہر کے ادبی حلقوں پر بھی آشکار ہو گئی۔ آج تقریباً سو سال گزرنے کے باوجود مذکورہ ناول قارئین کے وسیع حلقے کو متاثر کر رہا ہے۔ اس کے اثرات اتنے گہرے اور پائیدار ہیں کہ اس نے سوچ کے زاویے بدل ڈالے ہیں۔ The Trial کا ترجمہ بظاہر "مقدمہ" کیا گیا ہے جو ریاست کے عدالتی نظام پر طنز ہے۔ اس کی زیریں سطح

پر اتر کر دیکھا جائے تو اس کے معنی، امتحان یا آزمایش کے ہیں جو ہر انسان اپنی زندگی میں جھیلتا ہے۔ وہ زندگی کے امتحان یا آزمایش میں کیوں ڈالا گیا ہے اسے خود خبر نہیں ہوتی۔ اُسے پادری، پروہت یا مولوی کے ذریعے یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ ایک اَن دیکھی اور طاقتور ہستی کے سامنے جواب دہ ہے جس کا سامنا کرنے کے لیے وہ تمام عمر اس کی تیاری میں گزار دیتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار سچائی کی تلاش میں سرگرداں ہے جس کے حُصول میں اسے کئی رکاوٹوں کا سامنا ہے۔ ہر قدم پر پہرے دار موجود ہیں جو اسے انصاف یا سچائی تک پہنچنے میں مشکلات پیدا کر رہے ہیں۔ ناول میں در حقیقت کوئی مقدمہ ہے ہی نہیں، اگر کوئی چیز ہے تو وہ مقدمے کا خوف ہے جو انسان کی زندگی میں سرایت کیے ہوئے ہے۔ اسی خوف کا مذہنی حلقہ فائدہ اٹھاتا ہے اور فرد کا استحصال کرتا ہے۔ پہرے داروں، چپڑاسیوں اور وکیلوں کے روپ میں نمودار ہونے والے کردار حقیقت میں ان مزاحمتوں کی علامتیں ہیں جو سچائی اور انصاف کے حصول میں رکاوٹ بن جاتی ہیں۔ صرف یہی نہیں ناول نگار نے جوزف K کی باطنی صورتِ حال کو بھی منعکس کیا ہے جس میں وہ جبلی سطح سے بلند تر ہونے کے بجائے بشری کمزوریوں کا شکار ہوتا چلا جاتا ہے۔ وہ اپنے مقدمے کے دوران میں جنسی کج رویوں کا شکار ہوتا ہے اور بار بار کئی عورتوں کی جانب ملتفت ہو جاتا ہے جس سے اس کی توجہ اصل مقدمے سے دور ہو جاتی ہے۔ پہلی عورت، جس کا اس مقدمے کے بعد اس سے سامنا ہوتا ہے ،وہ اُس کی پڑوسن فرالین برسٹنر ہے۔ وہ اس سے ملاقات کرنے جاتا ہے لیکن اس کی ملاقات کا اختتام، بوس و کنار پر ہوتا ہے۔ دوسری عورت کا سامنا اس وقت ہوتا ہے جب وہ اتوار کے دن عدالت میں پیش ہونے جاتا ہے اور عدالت کے دربان کی بیوی اُسے جنسی پھندے میں پھانسنے کی کوشش کرتی ہے اور وہ کسی حد تک اپنے مقصد میں کامیاب ٹھہرتی ہے۔ تیسری عورت (لینی) سے وہ اس وقت اپنا جنسی تعلق قایم کرتا ہے جب وہ وکیل 'ہر ہلڈ' سے چچا کے ساتھ ملاقات کرنے جاتا ہے۔ جوزف k کا چچا اس کی اس حرکت پر اس سے شدید نالاں بھی ہوتا ہے مگر وہ اپنی حرکات سے باز نہیں آتا۔ اس کی محبوبہ "ایلسا" اس کے سوا ہے۔ ناول نگار بتانا یہ چاہتا ہے کہ انسان کی اپنی جبلی کمزوریاں، مقصد کے حصول میں سدِ راہ ثابت ہوتی ہیں۔ اس کے خود پر عدم اعتماد اور حصولِ مقصد پر یقین کی کمی، منزل تک رسائی میں مشکل کا باعث بن جاتی ہے۔ زندگی کے تلخ تجربات اسے بیرونی زندگی سے جب لاتعلق کرتے ہیں تو اسے باطن میں جھانکنے کا موقع ملتا ہے تب اس میں سچائی کی روشنی کو پانے کی لگن جاگتی ہے لیکن تب تک موت اس کو دبوچ لیتی ہے۔

ناول میں کافکا نے مضحکہ خیز صورت حال کو پیش کیا ہے جس میں مرکزی کردار جوزف k ایک صبح اپنی تیسویں سال گرہ کے روز جب بیدار ہوتا ہے تو وہ خود کو سرکاری اہل کاروں کی حراست میں پاتا ہے۔ اس کے بار بار اصرار پر اہل کار یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس پر کس بات کا الزام ہے۔ یہ بات بھی تعجب انگیز ہے کہ وہ جس شخص کو حراست میں لینے آئے ہیں اس کے وارنٹ گرفتاری بھی ان کے پاس موجود نہیں ہیں۔ وہ اس امر کا خواہاں ہے کہ اسے معلوم ہو کہ اس پر الزام کیا ہے؟، ان الزامات پر کارروائی کرنے والے حکام کون ہیں؟ لیکن انسپکٹر اُسے، جو کچھ مستقبل میں اس کے ساتھ ہونے جا رہا ہے، اس پر توجہ مرکوز کرنے کی نصیحت کرتا ہے۔ حتّا کہ کافی دیر

کی پریشانی کے بعد ملزم کو معلوم ہوتا ہے کہ اس کی گرفتاری بس رسمی ہے، وہ اپنے معمول کے کام سرانجام دے سکتا ہے۔ وہ چاہے تو اپنی ملازمت پہ بینک بھی جا سکتا ہے۔

پورے سال کے مقدمے میں صرف ایک بار اسے جج کے سامنے پیش ہونے کا موقع ملتا ہے۔ جج نے اس سے صرف اتنا پوچھا کہ "تم گھروں میں پینٹ کرنے والے ہو" جس پر اس نے وضاحت کی کہ وہ بینک میں ملازمت کرتا ہے اور اس پر پینٹر سمجھنے کی غلطی میں مقدمہ دائر کیا جا رہا ہے۔ یہ جوزف K کے مقدمے کی پہلی اور آخری پیشی تھی اور اس کے بعد اسے نہ تو عدالت کی جانب سے کوئی نوٹس ملا اور نہ وہ دوبارہ عدالت میں پیش ہوا۔ اس کے خلاف فرضی مقدمے کو اتنی ہوا دی جاتی ہے کہ اس کی خبر اس کے گاؤں تک پہنچ جاتی اور اس کا چچا اس کی خبر لینے شہر آ پہنچتا ہے۔ وہ زبردستی اسے اپنے وکیل دوست کے پاس لے جاتا ہے۔ وکیل ججوں اور عدالتی نظام میں اپنے اثر و رُسوخ کو مبالغہ آمیز حد تک بڑھا کر بیان کرتا ہے۔ تعجب انگیز بات ہے کہ وہ ملزم سے ضروری معلومات تک لینا گوارا نہیں کرتا۔ ملزم کی دلچسپی وکیل کی ملاقات سے زیادہ اس کی ملازمہ میں برقرار رہتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وکیل کے تقرر کے باوجود، مقدمے میں پیش رفت نہیں ہوتی۔ جوزف K مقدمے کے باعث ہمہ وقت ذہنی اور نفسیاتی پریشانی کا شکار رہتا ہے جس سے اس کی ملازمت کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے۔ اس صورتِ حال کو اس کا رفیقِ کار بھانپ لیتا ہے اور اسے ایک مُصوّر کے پاس جانے کا مشورہ دیتا ہے۔ مذکورہ مُصوّر عدالتی ججوں کے خاکے تیار کرتا ہے۔ وہ اس سے ملتا ہے جو اسے مقدمے میں پیش رفت کا یقین دلاتا ہے لیکن اس کے باوجود مقدمہ التوا کا شکار ہوتا رہتا ہے جو اس کے لیے ذہنی کوفت کا باعث بنتا ہے۔ وہ تنگ آ کر وکیل کو فارغ کر کے خود مقدمے کا دفاع کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ عدالتی نظام کی ساخت ایسی ہے کہ اسے اپنے مقدمے کا دفاع کرنے کا موقع نہیں ملتا اور ایک دن اسے اطلاع ملتی ہے کہ اس کے مقدمے کا فیصلہ اس کے خلاف ہو گیا ہے۔ اسے مجرم قرار دے کر بے رحمی سے اس کے سینے میں چاقو گھونپ دیا جاتا ہے۔ اس لمحے وہ اپنی زندگی کے غیر انسانی کردار سے آگاہ ہوتا ہے۔ ناول کا آخری پیراگراف جس میں ناول نگار نے جوزف k کی موت کا منظر پیش کیا ہے، ملاحظہ ہو:

> "۔۔۔ جج کہاں تھا، اس نے کبھی نہ دیکھا؟ اعلیٰ عدالت کہاں تھی، جہاں وہ کبھی نہ پہنچ پایا؟ اس نے اپنے دونوں ہاتھ اوپر کیے اور اپنی انگلیوں کو پھیلا دیا۔ مگر ان میں سے ایک جوان کے ہاتھ K کے گلے پہ آ گئے جب کہ دوسرے نے اس کے دل کے اندر خنجر گھسا دیا اور اسے دو بار گھمایا۔ جب k کی آنکھیں بُجھ رہی تھیں تو اس نے ان دونوں کو اپنے چہرے کے قریب گال سے گال ملائے پایا تاکہ آخری فیصلہ دیکھ سکیں۔ "کتے کے مانند" اس نے کہا، یوں محسوس ہوا جیسے اس کی یہ ندامت اس کے بعد بھی مدتوں قائم رہے گی۔"(۵)

ملزم نے یہاں اپنی موت کو کتے کی موت سے تشبیہہ دے کر معنی خیز بنانے کی کوشش کی ہے کیوں کہ اس کی موت لایعنی اور بے مقصد وقوع پذیر ہوئی ہے۔ ایک انسان اور جانور کی زندگی میں جس طرح فرق ہوتا ہے اسی طرح ان کی موت میں بھی فرق ہوتا ہے۔ موت دنیا میں انسان کے وجود کے لیے لازمی شرط ہے اور زندگی کے اندر ہی موت کا احساس مُضمَر ہے۔ ناول کا مرکزی کردار

جوزفkخود موت کے تجربے سے گزر رہا ہے اور اسے اس چیز کا احساس ہے کہ اس کی زندگی کی جدوجہد رنگ نہیں لائی۔ وہ عدالتی مقدمہ جیتنے میں ناکام رہا ہے اس لیے اس کی زندگی غیر یقینی، بے معنی اور لاحاصل تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنی زندگی کو ایک حقیر جانور کی موت سے تشبیہہ دی ہے۔ جوزف کی موت اس کی اپنی نہیں بلکہ اس پورے نظام کی موت ہے جس نے اُس کے وجود کو دہشت، خوف اور باطنی انتشار سے دوچار کیا ہے۔

ناول نگار نے زیرِ بحث ناول میں جوزفk کے کردار کے توسل سے حکومت کے عدالتی نظام کو طنز کا نشانہ بنایا ہے۔ ایک ایسا عدالتی نظام جو حکومتی جوہر کا حامل ہے جس کا کام لوگوں کو انصاف فراہم کرنا ہے لیکن خود بدعنوانیوں کا شکار ہونے کے باعث، انصاف فراہم کرنے سے محروم ہے۔ اب یہ ملکی باشندوں کے شخصی جذبوں پر بندشیں عاید کرنے کا کام کرتا ہے۔ بغیر کسی جُرم کے جب اسے سال گرہ کے دن گرفتار کیا جاتا ہے تو جوزفk خوف کا شکار ہو جاتا ہے۔ اب وہ تحفظ ختم ہو گیا ہے جو وہ بیوروکریٹک دنیا میں گرفتاری سے پہلے محسوس کر رہا تھا:

> K" آخر ایک آزاد ملک کا شہری تھا، ہر طرف امن تھا، قوانین ابھی تک معطل نہیں ہوئے تھے۔ کون تھا جس نے اس کی چار دیواری کے اندر اسے بے امان کرنے کی جرأت کر ڈالی تھی۔"(۶)

عدالتی بیوروکریسی جوزفk کو اپنے چنگل میں پھانس لیتی ہے۔ اب اس کے پاس کوئی راستا نہیں کہ وہ خود کو نجات دلا سکے۔ بیوروکریسی کسی بھی شکل میں ہو، خواہ ملٹری بیوروکریسی ہو، سول بیوروکریسی ہو یا عدالتی بیوروکریسی، ریاست کے مفادات کے تحفظ کو یقینی بناتی ہے، اسے عوام کے تحفظ، مفادات اور حقوق سے واجبی سا ہی لینا دینا ہوتا ہے۔ ہیگل کے سیاسی فلسفے پر تنقید کرتے ہوئے کارل مارکس نے بیوروکریسی کے اسی کردار کی جانب توجہ دلائی ہے۔ مارکس کا خیال ہے کہ بیوروکریسی ریاست کے اندر مخصوص مفاد بن جاتی ہے اور اشیاء کو اپنے زاویوں سے دیکھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "مقدمہ" میں جوزفkجو ایک حقیقی انسان ہے عدالتی کیس میں تبدیل ہو گیا ہے۔ غور کریں تو وہ میٹامارفوسس (قلبِ ماہیت) کے عمل سے گزرا ہے اور حقیقی انسان کے بجائے مجرد وُجود میں بدل گیا ہے۔ اس سے تمام انسانی صفات معدوم ہو گئی ہیں کیوں کہ اب وہ محض ایک عدالتی کیس کے سوا کچھ نہیں۔

عام زندگی میں انصاف قانون کے زور پر حاصل کیا جاتا ہے لیکن مذکورہ ناول میں انصاف کا حصول ناممکن دکھایا گیا ہے کیوں کہ یہاں قانون الل ٹپ اور غیر منطقی مزاحمتوں کی شکل میں انصاف کے راستے میں روڑے اٹکانے کا کام کرتا ہے۔ قانون جسے واضح اور دو ٹوک ہونا چاہیے وہ اتنے ابہام اور اسرار کا شکار ہے کہ انصاف کے حصول میں مددگار ثابت ہونے کے بجائے، مزاحم نظر آتا ہے۔ جوزف K کو ملزم ٹھہرایا جاتا ہے لیکن عدالت یہ واضح نہیں کرتی کہ اس کا قُصور کیا ہے۔ یہاں فرانز کافکا جو ڈیشل بیوروکریسی کی مخفیت اور پُر اسراریت کو نمایاں کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ لوگ جو اسے گرفتار کرنے آتے ہیں انھیں بھی معلوم نہیں کہ وہ اس کو گرفتار کیوں کرنا چاہتے ہیں۔ کافکا نے ناول کے مرکزی کردار کو، عدالتی بیوروکریسی کی مخفیت اور پُر اسراریت کو طشت از بام کرنے کے لیے نہ ختم ہونے

والی اور بے مقصد جدوجہد کے رنگ میں قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ وہ پورے ناول میں اس نظام کی تضحیک کرتا ہے جس سے معاشرتی تنزل(Dystopian) کی صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ یہ وہی معاشرتی تنزل ہے جو جارج آرویل نے اپنے ناولوں "اینیمل فارم" اور "1984" میں پیش کیا ہے جہاں جبر اور بد عنوانی کا راج ہے اور معاشرہ انسانی حقوق سے عاری ہے۔ "ڈسٹوپیا" کی پیش کش آلڈواَس ہکسلے، سکاٹ ویسٹر فیلڈ، رے براڈبیری اور لوئی لوری کے ناولوں میں بھی محسوس کی جاسکتی ہے۔

بیسویں صدی کے آغاز میں سٹالن اور بعد ازاں ہٹلر کی حکومتوں نے طاقت پکڑی اور)Totalitarian ہمہ گیر ریاست)طرز حکومت کے تجربات سامنے آئے جس نے فرد کی فردیت کو مشین کی طرح کچل ڈالا۔ "ہمہ گیر ریاست" ایک ایسی سیاسی حکومت ہوتی ہے جو مخالف پارٹیوں کی اپوزیشن اور کسی بھی فرد کی مزاحمت کو برداشت نہیں کرتی۔ عوام کی حرکات و سکنات پر کڑی نظر رکھتی ہے۔ اس طرزِ حکومت کے پاس مکمل خود مختاری ہوتی ہے جو جب چاہے اور جس وقت چاہے ریاست کے کسی بھی فرد کو بغیر بتائے شک کی بنیاد پر گرفتار کر سکتی ہے۔ اسے کسی منطق یا قانونی جواز کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اگر غور کریں تو یہ ایک طرح کا جدید سیاسی مظہر تھا جس کی جڑیں ماضی میں پیچیدہ حد تک پیوست تھیں۔ بعض ماہرین سیاسیات جن میں کارل پوپر خاص طور پر نمایاں ہے، نے اس کا تصور، افلاطون، ہیگل اور مارکس کے فلسفے میں دریافت کرنے کی کوشش کی جب کہ تھیوڈور اڈورنو اور ہورخیمر نے اس کے ڈانڈے خرد افروزی کی تحریک سے جوڑے ہیں۔ کافکا کے ناول "مقدمہ" میں جو صورتِ حال پیش کی گئی ہے اس میں عدالتی نظام، ججز، وکلا، عدالتی اہل کار، پولیس اور اس نظام سے جُڑے ہوئے دیگر افراد، ملزم کو ایسی بھول بھلیوں میں داخل کرتے ہیں جن سے انخلا ناممکن نہیں تو مشکل ترین ضرور ہے۔ کوئی بھی اپنے حُقوق کے لیے عدالت کے سامنے سرکشی نہیں کر سکتا کیوں کہ سرکشی توہین عدالت کے مترادف خیال کی جاتی ہے۔ انھیں انصاف اور قانون کی بالادستی سے غرض نہیں بلکہ اس نظام کو محفوظ رکھنے سے مطلب ہے جو ان کے مفادات کو تحفظ فراہم کرتا ہے چاہے فرد اس میں کچلا ہی کیوں نہ جائے۔

عدالتی بیوروکریسی پر طنز کرتے ہوئے کافکا مُصوّر کے کردار سے بریت کی تین قسمیں گنواتا ہے۔ مطلق بریّت Absolute) (Aquittal، ظاہری بریّت (Ostensible Aquittal)اور بریّت التوائی(Indefinite Postponement)۔ ان میں سے مطلق بریّت بہترین ہے جس کے حُصول کے لیے ملزم کو بے گناہ ہونا لازمی ہے۔ یہاں ملزم کو کسی بھی شخص کی مدد کی ضرورت نہیں ہوتی اور نہ ہی کوئی اس سلسلے میں اس کی مدد کر سکتا ہے۔ ظاہری بریّت کے لیے مخصوص عرصے کے لیے جانفشانی اور جان کاری سے کام لینا پڑتا ہے جب کہ التوائی بریّت کے لیے کم محنت درکار ہوتی ہے لیکن اسے مستقل طور پر لگائے رکھنا مقصود ہوتا ہے۔ عدالتی نظام اس طرح سے تشکیل پذیر ہوا ہے کہ چھوٹی عدالتیں ملزم کو اصلی بریّت دینے سے قاصر ہیں، صرف اعلاترین عدالت کے پاس اس کا اختیار ہے۔ لوگوں کو الزام سے بری کرنے کا اختیار ایک بڑا استحقاق ہے جو چھوٹی عدالتوں کے ججوں کے پاس نہیں ہے۔ جب عمومی انداز میں بری کیا جاتا ہے تو الزام صرف عارضی طور پر واپس لیا جاتا ہے مگر معاملہ ابھی بھی ختم نہیں ہوتا اور اوپر سے وارد ہونے والا کوئی بھی حکم نامہ اسے پھر سے کارگر کر

دیتا ہے۔ اصلی بریّت اور ظاہری بریّت میں فرق کو عدالتی ضابطوں میں اس طرح بیان کیا جاتا ہے کہ اصلی بریّت میں مقدمے کی تمام تر دستاویزات کو مکمل طور پر تلف کر دیا جاتا ہے۔ یوں وہ ہمیشہ کے لیے کارروائیوں سے غائب ہو جاتی ہے، الزام، مقدمہ اور بریّت، ہر شے ختم ہو جاتی ہے مگر ظاہری بریّت کے حوالے سے معاملہ مختلف ہوتا ہے۔ ظاہری بریّت کے حصول کے بعد کچھ بھی تبدیل نہیں ہوتا، اس کے سوا کہ آپ کی بریّت کے لیے آپ کی بے گناہی کا دعوا زیادہ مضبوط ہو جاتا ہے اور اس کے لیے حالات زیادہ ساز گار ہو جاتے ہیں۔ کارروائیاں معمول کے مطابق چلتی رہتی ہیں۔ عدالت کے دفاتر اپنا کام جاری رکھتے ہیں اور معاملے کو بڑی عدالت میں ارسال کر دیا جاتا ہے، پھر چھوٹی عدالت میں، پھر بڑی عدالت میں اور اسی طرح آگے پیچھے، کبھی تیزی سے، کبھی سست روی سے، معاملہ پینڈولم کی طرح حرکت کرتا رہتا ہے۔ بظاہر یوں لگتا ہے طویل مدت سے سب کچھ فراموش کر دیا گیا ہے، دستاویزات گم ہو چکی ہیں اور بریّت کی تکمیل ہو گئی ہے۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہوتا، کسی بھی وقت کوئی سا بھی جج دستاویز اٹھا لیتا ہے اور اسے قریب سے دیکھنا شروع کر دیتا ہے، اسے علم ہوتا ہے کہ دعوا ابھی تک زندہ ہے اور وہ مدعہ علیہ کی فوری گرفتاری کا حکم جاری کر دیتا ہے۔ مقدمہ پھر سے چل پڑے گا مگر پہلے کی طرح اس میں ظاہری بریّت کے حُصول کا امکان موجود ہو گا۔ ایک بار پھر سے ملزم کو تمام تر توانائیاں جمع کر کے کوشش کرنا ہو گی۔ دوسری بریّت کے بعد تیسری گرفتاری اور تیسری بریّت کے بعد چوتھی گرفتاری، یوں یہ سلسلہ جاری و ساری رہے گا۔ اس لیے اس کے لیے ظاہری بریت کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ عدالت میں التوائی بریت سے مراد کارروائیوں کو ہمیشہ کے لیے ان کے ابتدائی مراحل میں رکھنا ہے۔ اس ضمن میں ملزم کو اور وہ جو ملزم کی مدد کر رہے ہوتے ہیں ان کو مسلسل عدالت سے رابطے میں رہنا ہوتا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے اتنی محنت درکار نہیں ہوتی جتنی دیگر بریّتوں کے لیے ہوتی ہے لیکن یہ دھیان طلب زیادہ ہے۔ ملزم کے لیے لازم ہے کہ وہ کبھی بھی اپنے مقدمے کو نظروں سے اوجھل نہ ہونے دے۔ اس کے لیے باقاعدہ وقفوں سے عدالت میں جانا اور متعلقہ جج سے ملنا پڑتا ہے۔ جج کے ساتھ تعلقات بہتر رکھنا ہوتے ہیں۔ ظاہری بریّت کی نسبت التوائی بریّت میں یہ فائدہ ہے کہ اس میں مدعاعلیہ کا مستقبل کم غیر یقینی ہوتا ہے، وہ بار بار اچانک گرفتاری والے معاملے سے بچا رہتا ہے اور اس کرب سے بھی اسے نجات ملی رہتی ہے جو ظاہری بریّت کا لازمی جز خیال کی جاتی ہے۔ التوئی بریّت کے کچھ نقصانات بھی ہوتے ہیں جنھیں کم تر نہیں لینا چاہیے۔ اس میں کارروائیوں کو آگے جانے سے نہیں روکا جا سکتا، جب تک صائب وجوہات سامنے نہیں لائی جاتیں۔ محسوس یہ ہو کہ کچھ نہ کچھ ہو رہا ہے، گاہ گاہ مختلف قسم کے احکامات کی تعمیل ہو رہی ہو، ملزم سے باز پُرس جاری ہو، تفتیش ہو رہی ہو اور یہ احساس موجود رہے کہ مقدمہ مصنوعی انداز میں ایک دائرے میں چلتا رہے اور مسلسل اس دائرے میں گھومتا رہے۔ یہ صورتِ حال موجود ہو تو ملزم کے لیے ناگواریت جنم لیتی ہے۔ یہ سب کچھ ایک طرح کا دکھاوا ہوتا ہے، تفتیشی عمل بالکل مختصر ہوتا ہے۔ کچھ ججوں سے کافی عرصہ پہلے تفتیشی عوامل ایک ساتھ ملا کر بھی کرائے سکتے ہیں۔ ان تمام باتوں کا ماحصل یہ ہے کہ آپ کا ملزم کے طور پر گاہ گاہ جج کے سامنے پیش ہونا لازمی ہوتا ہے۔

کافکا کے مذکورہ ناول میں جوزف k کے کردار کے ذریعے، ناول نگار نے فرد کے جوش و جذبے، داخلی آزادی کی سوچ اور جمالیاتی

فطرت کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ یہاں فرد اپنے آپ کو تلاش کرنے میں مصروفِ عمل دکھائی دیتا ہے کیوں کہ آج کی جدید دنیا میں، فرد معاشرے میں اپنی حیثیت کھو چکا ہے۔ مقدمے کی سچائی، قانون اور عدالتی نظام جیسی علامتوں سے ناول نگار نے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ فرد کس طرح تمام عمر قیدی کی حیثیت سے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتا ہے۔ جوزفk کو بغیر کسی جرم کے قیدی بننے پر مجبور کر دیا جاتا ہے جس سے وہ تکلیف دہ اور کرب ناک کیفیت میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ یہ تکلیف اور کرب کی کیفیت ہی ہوتی ہے جو فرد کو اپنے وجود کا احساس دلاتی ہے، اس لمحے اس نے اپنے وجود کے اثبات کے لیے آزادانہ فیصلہ کرنا ہوتا ہے، یہ فیصلہ اس کی عقل نہیں بلکہ اس کا پورا وجود کرتا ہے جو اسے مخصوص شناخت عطا کرتا ہے۔ یہاں ناول نگار نے فرد کی غیر یقینی شناخت کے امکان کو ابھارنے کی کوشش کی ہے۔ غور کریں تو جوزفk معاشرتی جبر کا شکار دکھائی دیتا ہے۔ اس سے اس کی آزادی ضبط کر لی گئی ہے۔ وہ اب معاشرے کے دیگر افراد کے رحم و کرم پر ہے اس لیے اب اس کے لیے انتخاب، آزادی اور قوتِ فیصلہ، مقصد کے تعین میں لایعنی ہو کر رہ گئے ہیں۔ وہ ایک ایسی بھیانک صورتِ حال میں زبردستی دھکیل دیا گیا ہے جہاں وہ اپنے ہر عمل، ہر فیصلے اور ہر انتخاب کا خود ذمہ دار ہے۔ اس کے لیے ناول میں ایسی صورتِ حال پیدا کر دی گئی ہے جہاں اُمیدیں، مایوسی میں بدل جاتی ہیں۔ اس کی مایوسی اس نظام کی عدم درستی کے ردِ عمل کے طور پر سامنے آتی ہے جس کی پیچیدگیوں اور بھول بھلیوں میں وہ بُری طرح پھنس چکا ہے۔

عدالتی بیوروکریسی کا ایک اور کمال یہ ہے کہ ملزم اور اس کے وکیل کو عدالت کے ریکارڈ تک رسائی نہیں ہوتی، خاص طور پر استغاثے کے متن تک تو بالکل نہیں، وکیل اور ملزم دونوں کو اس کا علم نہیں ہوتا کہ پہلی دستاویز کس الزام کو اور کیسے غلط ثابت کرنے کی کوشش کر رہی ہوتی ہے۔ اس طرح کی صورتِ حال دفاع کو انتہائی مشکل کیفیت میں ڈال دیتی ہے۔ یہی تو عدالتی بیوروکریسی کی خواہش ہے کہ ملزم کو دفاع کی اجازت ہی نہ دی جائے۔ اسے صرفِ نظر کیا جاتا ہے اور صرفِ نظر کیے جانے کی تشریح پہ بھی اختلافات ہیں کہ قانون کی متعلقہ شقیں اس کی اجازت دیتی بھی ہیں یا نہیں؟ اس سے غیر یقینی اور عدم اعتماد کی فضا پیدا ہوتی ہے جس سے ملزم کے لیے جبر اور غلامی کا اِحساس جنم لیتا ہے۔ یہاں اس نظام میں جوزفk کے اِرادے اور انتخاب کی آزادی محدود ہو کر رہ جاتی ہے اور وہ غیر مصدقہ زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ وہ داخلی سطح پر انتشار کا شکار ہے یہ انتشار اس تصادم کا نتیجہ ہے جو عدالتی نظام اور جوزفk کے مابین موجود ہے۔ مذکورہ اختلاف ناول کے آخری صفحات تک جاری و ساری رہتا ہے حتّٰی کہ وہ موت کے مُنھ میں چلا جاتا ہے۔

پہلی عالمی جنگ، سائنسی ترقی اور جدید معاشرے نے جس طرح فرد کو مشینوں کا غلام بنا کے رکھ دیا، انسانی رشتوں کی کڑیاں شکستہ ہو کر بکھرنے لگیں اور مشینی دور کا انسان احساس و جذبے سے عاری زندگی گزارنے پر مجبور ہوا۔ خوف، دہشت، بوریت، لایعنیت اور تنہائی کا احساس عام ہو گیا۔ مذہبی سطح پر بھی تبدیلی رونما ہوئی اور لوگ اس خدا کے انکاری ہونے لگے جو ظالم، فاسق، فاجر اور جابر کو سزا نہیں دے سکتا، جو ملاؤں، پنڈتوں اور پادریوں کے ہاتھوں میں کھلونا بن کے رہ گیا۔ مذہبی بے زاری صرف انٹلیکچول سطح پر نمودار نہیں ہوئی بلکہ اس کے اثرات دور رس رہے، مخصوص اقدار، روایات، رسوم، قوانین اور علامات و تمثیلات سے متشکل ہونے والی اجتماعی نفسیات بھی

متاثر ہوئی۔ ان مسائل نے انسان کے کرب، بیزاری، بے گانگی، خوف، دہشت، پشیمانی، مایوسی، محرومی، لایعنیت اور بے مقصدیت میں اضافہ کیا۔ اس صورتِ حال سے کافکا نے واضح اثرات قبول کیے جس کو اس ناول میں محسوس کیا جاسکتا ہے۔ جوزفk کے کردار کے ذریعے مذکورہ موضوعات کو ناول میں آشکار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ فرانز کافکا نے، کریکے گارڈ کی طرح جدید معاشرے کے المیے اور تنزل پذیری کو ماہرانہ انداز میں قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ ناول نگار نے عقلیت کی سماجی شکل یعنی بیوروکریسی اور کلیسائی نظام پر شدید حملہ کیا ہے۔ کلیسا نے عیسائیت کو ادارہ بنا کر عیسائیت کی روح اور خود مذہب کی جڑوں کو کھوکھلا کر دیا ہے۔ اس ضمن میں ناول کے آخر میں کافکا نے قاری کو ایک تمثیل کے ذریعے مذکورہ بات سمجھانے کی کوشش کی ہے۔ ناول نگار نے یہ تمثیل پادری کی ہی زبان سے بیان کرائی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ قانون کے دروازے کے سامنے پہرے دار موجود ہے۔ اس کے پاس انصاف کی تلاش میں ایک دیہاتی آتا ہے اور اُس سے اندر جانے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ پہرے دار اُسے اندر جانے کی اجازت نہیں دیتا بلکہ اُسے دروازے پہ انتظار کرنے کا مشورہ دیتا ہے۔ دیہاتی جب اندر جھانکنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ اپنی طاقت کا احساس دلا کر اسے روک لیتا ہے۔ اسے تنبیہہ بھی کرتا ہے کہ آگے ہر دروازے پر الگ الگ پہرے دار موجود ہیں جو ایک دوسرے سے زیادہ طاقت ور ہیں۔ دیہاتی کو انصاف تک رسائی میں اتنی مشکل کی توقع نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ ہر وقت، ہر لمحہ، ملک کا کوئی بھی باشندہ انصاف کے دروازے پر دستک دے کر انصاف حاصل کر سکتا ہے۔ وہ انتظار کے لیے رُک جاتا ہے اور پہرے دار اُسے دروازے کے ساتھ سٹول پر بیٹھنے کی اجازت دے دیتا ہے۔ وہ دِنوں نہیں بلکہ سالوں وہاں بیٹھا رہتا ہے۔ اس دوران میں وہ بار بار اندر جانے کی اجازت طلب کرتا ہے۔ اس کی اِستقامت پہرے دار کو تھکا دیتی ہے، وہ پہرے دار کو کھانے کی چیزیں رشوت بھی دیتا ہے اور پہرے دار اس سے رشوت کی چیزیں یہ کہہ کر قبول کرتا رہتا ہے کہ تمھیں افسوس نہ ہو کہ تم نے اپنی پوری کوشش نہیں کی۔ وقت گزرتا رہتا ہے اور اب دیہاتی کی زندگی کا چراغ گُل ہونے کے قریب آجاتا ہے۔ اس عالم میں بھی اُسے اُمید کی کرن دکھائی دیتی رہتی ہے۔ دیہاتی نے یہاں قیام کے دوران میں جو کچھ سیکھا اس کے ذہن میں وہ سوال کی صورت ابھرا "ہر شخص اپنی زندگی میں انصاف کے حصول کی کوشش کرتا ہے، پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ میرے علاوہ آج تک کوئی اور اس دروازے تک نہیں آیا۔" پہرے دار کو اس بات کا ادراک ہو جاتا ہے کہ اب دیہاتی کا آخری وقت آگیا ہے، وہ اسے جواب دیتا ہے۔ "یہ دروازہ صرف اور صرف تمھارے لیے مخصوص تھا۔ تمھارے علاوہ اس میں کوئی اور داخل نہیں ہو سکتا تھا۔ اب میں اسے بند کرنے لگا ہوں۔" اس تمثیل کے بعد ناول کے مرکزی کردار اور پادری کے مابین فلسفیانہ گفتگو ہوتی جس سے ناول علامتی حیثیت اختیار کر جاتا ہے۔

غور کریں تو دنیا بالکل کافکا کے عدالتی نظام کے مماثل ہے جس میں جوزفk انصاف اور سچائی کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ دنیا میں قدم قدم پر موجود رکاوٹیں اور مزاحمتیں انصاف تک رسائی کو مشکل بنا دیتی ہیں۔ ہر لمحہ، ہر پل چاروں اطراف نامعلوم کا خوف اور دہشت کی حکمرانی ہے۔ ہر فرد پر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے فردِ جرم عاید کر دی گئی ہو۔ اس فردِ جرم کو جب وہ دور کرنے کی کوشش کرتا ہے تو وہ مزاحمتوں اور رکاوٹوں کے ایک ایسے جال میں پھنس جاتا ہے کہ اب موت کے سوا اس جرم سے چھٹکارا پانے کا کوئی راستا نہیں۔ تمثیل

میں موجود پہرے دار انصاف کے حصول میں رکاوٹ کی علامت کے طور پر موجود ہے۔ وہ پوری ایمانداری اور محنت سے اس کردار کو نبھاتا ہے اور دیہاتی کی موت تک اپنے فرائض سر انجام دیتا ہے۔ انسان جو بنیادی طور پر بہت حد تک سہل پسند اور سست ہے وہ زندگی کے سفر میں چور راستوں کا تلاشی رہتا ہے۔ وہ قوتِ بازو اور محنت سے رکاوٹوں کو عبور کرنے کے بجائے دوسروں کا سہارا لیتا ہے۔ دوسرے اس میں خوف اور ڈر پیدا کر کے اس کا استحصال کرتے ہیں جس سے وہ ان کو رشوت دینے پر مجبور ہو جاتا ہے جیسا کہ دیہاتی کا قانون کے پہرے دار کو بار بار رشوت دینا ہے۔ چوں کہ دیہاتی انصاف کے حصول میں درست راستا استعمال نہیں کر رہا اس لیے وہ مقصد کے حصول میں ناکام رہتا ہے۔ ناول کا مرکزی کردار جوزف K بھی، کبھی وکیل، کبھی مصوّر اور کبھی عدالتی اہلکاروں کو بیچ میں ڈال کر فیصلہ اپنے حق میں کرانا چاہتا ہے اور عدالتی اہل کار اُس کی اِس کمزوری سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اس کے مقدمے کو طول دیتے رہتے ہیں۔

ناول نگار اس صورتِ حال کو پیش کر کے یہ احساس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ در حقیقت جوزفk کو خود پر اعتماد کرنا چاہیے تھا، راستے کی رکاوٹوں کو خود اعتمادی سے عبور کر کے بے باکی سے منزل تک پہنچنا ہی کامیابی کی دلیل ہے۔ چور رستوں کی تلاش، رشوت بازی اور سماجی دباؤ انصاف اور سچائی تک نہیں لے جاتے۔ مشتبہ شخص کے لیے ساکت ہونے کے بجائے متحرک رہنا بہتر ہوتا ہے، کیوں کہ جیسے ہی آپ ساکت ہوں گے انصاف کے ٹھیکدار بغیر کسی تحقیق کے انصاف کے ترازو میں، آپ کو گناہوں سمیت تول کر من چاہا انصاف کر دیں گے اور آپ اُن کے فیصلوں کو، کلی طور پر ماننے کو مجبور ہوں گے۔ آپ کے پاس یہ گنجایش نہیں کہ عدالتی اہل کاروں اور ججوں پر شک کر سکیں ۔ وہ قانون کے ملازم ہیں اور قانون کے ملازموں پر شک کی نظر ڈالنا، دراصل قانون پر شک کرنے کے مترادف ہو گا چاہے وہ جو مرضی کرتے رہیں۔ عدالتی اہل کاروں اور ججوں کی بد عنوانیوں کا پردہ پادری اور جوزفk کے مابین مکالمے سے، ناول نگار نے کچھ یوں اٹھایا ہے:

> "تم زیادہ تر مدد کی آس دوسروں سے لگا کر بیٹھے ہو" پادری نے اسے رد کرتے ہوئے کہا "اور خاص طور پر عورتوں سے۔ کیا تمھیں واقعی نہیں لگتا کہ یہ وہ مدد نہیں ہے جو تمھیں چاہیے؟"
>
> "کبھی کبھی، بلکہ بہت بار مجھے بھی یہی لگا کہ آپ کا یہ سوال درست ہے k" نے کہا "مگر اسے ہر وقت درست خیال نہیں کیا جا سکتا۔ عورت کے پاس بڑی طاقت ہوتی ہے۔ اگر میں کچھ شناسا عورتوں کو اپنے ساتھ کام کرنے پر آمادہ کر لوں تو میں اس صورتِ حال سے با آسانی نکل سکتا ہوں۔ خاص طور پر ایک ایسی عدالت میں جہاں لگتا ہے سوائے عورت کے پجاریوں کے اور کچھ بھی نہیں۔ جرح والے مجسٹریٹ کو دور سے عورت دکھاؤ تو وہ اپنی میز کے اوپر سے، ملزم کے سر کے اوپر سے، پھلانگتا ہوا آئے گا تاکہ جلد سے جلد اسے حاصل کر سکے۔"(۷)

جوزفk بھی وکلاء، عدالتی اہل کاروں، ججوں اور انصاف کے نظام پر شاکی ہے یہی وجہ ہے کہ اس کا مقدمہ بھی خراب کر دیا جاتا ہے اور مقدمہ چھوٹی عدالت سے اوپر نہیں جانے پاتا۔

ناول میں گرجا گھر اور عدالتی عمارت، دونوں میں تاریک، پُر اسرار، متلی آمیز اور گرد آلود ماحول کی عکاسی کی گئی ہے جو عام

انسان کے لیے اذیت ناک اور تکلیف دہ ہے۔ جوزف K جس گرجے میں موجود ہے وہاں خوفزدہ کر دینے والا موسم موجود تھا۔ اگرچہ وہاں دن تھا لیکن کالی رات کے مانند محسوس ہو رہا تھا۔ بڑے بڑے گدلے شیشوں والی کھڑکی دیواروں کی تاریکی پر روشنی کی کرنوں کو پڑنے سے روکے ہوئے تھی، اسی لمحے چغے میں ملبوس شخص نے مرکزی چبوترے کی موم بتیوں کو ایک ایک کر کے بجھانے کے لیے منتخب کیا تھا جس سے فضا مزید پُراسرار اور بھید بھری محسوس ہونے لگی تھی۔

عدالت کی عمارت کا ماحول بھی تاریک اور گرد آلود پیش کیا گیا ہے۔ ایک طویل راہداری جس میں بھدے دروازے ہیں جو بالا خانہ کے مختلف شعبوں میں کھُلتے ہیں، وہاں روشنی کا کوئی براہِ راست انتظام موجود نہیں۔ جوزف k نے عدالت کی اس عمارت کا جب جائزہ لیا تو اسے مزید اس کے اندر جھانکنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی، وہ اسے دیکھ کر پریشان اور حیرت زدہ رہ گیا۔ ذہنی طور پر وہ ایسی کیفیت میں چلا گیا کہ کسی بڑے اہل کار کا سامنا کرنے کے قابل نہیں رہا۔ منتشر ذہنی اور نفسیاتی کیفیت کے باعث وہ عدالت کی عمارت سے باہر نکلنے کا خواہاں ہے تاکہ تازہ اور صحت بخش فضا میں سانس لے سکے، اسے اس ماحول میں متلی محسوس ہونے لگتی ہے۔ عدالت کے ماحول کی ابتری ، وہاں موجود عورت کے کردار کے ذریعے کافکا نے یوں بیان کی ہے:

> "آپ کو پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں ہے" اس عورت نے کہا" یہ قطعاً غیر معمولی واقعہ نہیں ہے، تقریباً ہر کسی پہ ، جو بھی یہاں پہلی بار آتا ہے، اس طرح کا دورہ پڑتا ہے، آپ پہلی مرتبہ آئے ہیں، ہیں ناں؟ ہاں، پھر تو بالکل اچنبھے کی بات نہیں ہے، لکڑی کی بنی چھتوں پر سورج دہکتا رہتا ہے اور لکڑیاں آب و ہوا کو بھاری اور بوجھل کر دیتی ہیں، اس کے دیگر جو بھی فوائد ہوں مگر یہ چیز دفتروں کو ایک غیر موافق جگہ ضرور بنا دیتی ہے اور ان ایام میں جب دفتر عوام کے لیے کھُلے ہوتے ہیں یہاں سانس تک لینا دشوار ہو جاتا ہے۔"(۸)

گرجے کی تاریکی، پادری کا کردار اور اس کے ساتھ عدالتی ماحول کی ابتری، ججوں، وکلا اور عدالتی اہل کاروں کے ملزمان کے ساتھ رویے، ہمہ گیر (Totalian) اور مطلق العنان ریاستوں کے داخلی تضادات کو نمایاں کرتے ہیں۔ عدالتی بیوروکریسی، انتظامیہ اور مذہبی ادارے سبھی ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے معلوم پڑتے ہیں جن کا مقصد عوام کو سہولیات فراہم کرنے کے بجائے اپنے موجودگی (Existance) کے جواز کو یقینی بنانا ہے۔

فرانز کافکا نے مذکورہ ناول میں مضبوط اور مستحکم علامتی نظام کے تحت معاشرتی طنز اور تنقیص کو قاری کے سامنے پیش کیا ہے۔ عدالت کی عمارت کا ماحول، گرجے کا پادری، وہاں کی تاریکی، پادری کی زبان سے تمثیل کا بیان، جگہ جگہ مقدمے سے بریت کے سلسلے میں لوگوں کی پیش کش، مصور (حقیقی پورٹریٹ بنانے کے بجائے ججوں کے من چاہے پورٹریٹ تیار کرتا ہے جس میں ان کی حقیقی تصویریں موجود نہیں بلکہ مبالغہ آمیز حد تک وہ اصل سے بہتر دکھائی دیتے ہیں، حیرت انگیز ہے کہ یہ سلسلہ موروثی ہے کیوں اس کا باپ بھی یہی کام کیا کرتا تھا۔ اس کی وجہ خود کو دوسروں سے برتر اور بہتر دیکھنے کی جبلی خواہش ہے، مزید اس میں ججوں کی نرگسیت کو بھی تلاشا جا سکتا

ہے)اور بچوں کے کردار(بچے معصوم ہونے کے بجائے، انتہائی بد تمیز اور شریر دکھائے گئے ہیں۔ جن سے محبت اور پیار سے نہیں بلکہ سختی سے ہی نپٹا جا سکتا ہے، یہی چیز ان میں اور عدالت سے منسلک، اہل کاروں میں مشابہت پیدا کرتی ہے۔)، کہانی میں موجود خواتین(جو مقصد کے حصول میں مدر کار یکسوئی میں انحراف کا باعث ہیں۔ جوزفk کو فوق الانا سے کھینچ کر "اِڈ(Id)" کی طرف لاتی ہیں اور وہ ان سے چاہتے ہوئے بھی کنارہ کشی اختیار نہیں کر سکتا۔)سیب سے ناشتا کرنا(سیب جو انسان کے ازلی گناہ کا ستعارہ ہے اور عیسائیت میں حضرت آدم اور حوا کے مابین جدائی کا باعث بنا)، عدالتی عمارت کی خستہ حالی(جو انصاف کے نظام اور حکومتی پالیسیوں کی ابتری کی نمایندہ ہے۔)، اطالوی سیاح (جو وعدہ کے باجود شہر اور گرجے کی سیر کو نہیں آتا۔ بین الاقوامی اداروں کی فطرت کو ظاہر کرتا ہے)اور سیکیورٹی اہل کار جو اسے گرفتار کرنے آتے ہیں، ان کے ملزم کے ساتھ رویے بھی علامتی انداز اختیار کیے ہوئے ہیں۔ ناول کے آخر میں جب جوزف Kموت سے بغل گیر ہو رہا ہوتا ہے تو اس کا یہ جملہ "کتے کے مانند(Like a Dog)" ناول میں موجود دیگر علامتوں کو اور با معنی بنا دیتا ہے۔

فرانز کافکا کے فکشن کا کمال یہ ہے کہ وہ حقیقی زندگی کو فکشنی حقیقت کا روپ دینے میں مہارت رکھتا ہے، وہ تصویر کا محض ایک رخ نہیں دکھاتا، وہ کئی پہلوؤں سے اسے تحریر میں نمایاں کرتا ہے جسے گرفت میں لانے کے لیے زرخیز دماغ اور طویل ریاضت درکار ہے۔ اسے اس بات کا مکمل ادراک ہے کہ جہاں زندگی خطرات سے لبریز ہے وہیں امید اور رجائیت بھی اسی دنیا کا حصہ ہے۔ اس کے فکشن کے میں اگر ناگواریت اور متلی آمیز صورتِ حال کی عکاسی ملتی ہے تو اسے کافکا کی خامی نہیں بلکہ اس زندگی کی تصویر خیال کیا جانا چاہیے جو بد ہئیتی، عدم توازن اور بے ترتیبی کا شکار ہے۔ کافکا کو زندگی جیسی اور جس طرح دکھائی پڑتی ہے وہ اسے اسی انداز میں پیش کر دیتا ہے کیوں کہ آنکھیں موند لینے سے خطرات سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ زندگی کی لغویت، جبریت، خوف اور بحران کی عکاسی ہی ان سے نجات دلانے میں معاون ہو سکتی ہے۔

حوالہ جات و حواشی

1. نیر مسعود، کافکا کے افسانے، کراچی: آج، ۲۰۰۹ء، ص:۷
2. رخسانہ پروین، جدید اردو افسانہ: ثقافتی استعماریت اور مزاحمتی رویے، مشمولہ: ثقافتی شناخت اور استعماری بیانیے، مرتبہ: ڈاکٹر سجاد نعیم، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۲۱ء، ص:۹۹
3. محمد عاصم بٹ، کافکا کہانیاں، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۳ء، ص:۲۰
4. ڈوراڈائمنٹ فرانز کافکا کی دوست تھی جس کا تعلق پولینڈ سے تھا۔ فرانز کافکا سے اس کی پہلی ملاقات ۱۹۲۳ء میں اس وقت ہوئی جب وہ اپنی گرتی ہوئی صحت کے پیشِ نظر بالٹک کے ساحلی علاقے میورز میں قیام پذیر تھا۔ فرانز جب "برلن جیوش پیپلز ہوم" تو وہاں کے باورچی خانے میں وہ مچھلی کاٹ رہی۔ اسے دیکھ کر کافکا بے ساختہ بول اٹھا "ایسے نازک ہاتھ اور ایسا سخت

کام "فرانز کافکا اور ڈوراڈائمنٹ کا یہ تعلق عمر کے آخری دم تک رہا۔

5. فرانز کافکا، مقدمہ، مترجم: منظور احمد، لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۹ء، ص:۲۷۲
6. ایضاً، ص:۲۲
7. ایضاً، ص:۲۵۳
8. ایضاً، ص:۹۳

ناول میں موجود تشبیہوں، استعاروں، کنایوں اور تمثالوں (بصری، سمعی اور لمسی) کو بھی زیرِ بحث لایا جا سکتا ہے، جو مرکزی کردار کی اذیت ناکی اور مخصوص ذہنی اور نفسیاتی کیفیات کو مدور کرنے میں مدد ثابت ہو سکتی ہیں لیکن یہ سب ایک الگ مضمون کا متقاضی ہے۔ طوالت کے خوف سے محض اس پہلو کا ذکر کر دیا ہے۔